ان دیکھی دُنیا

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ صاحب، اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ کی ایمان پرور اور شعور افزا کتاب وجودِ باری تعالیٰ اور توحید کا ایک باب)

علت و معلول میں یکسانیت

سائنس میں تجربہ و مشاہدہ کی بنیاد یہ اُصول ہے کہ ہر نتیجہ کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ مسبّب اور نتیجہ کا یہ رشتہ وقتی و عارضی نہیں بلکہ مستقل ہے۔ مثلاً گرمی آگ کا نتیجہ ہے آگ سبب ہے اور گرمی نتیجہ۔ یہ کل بھی تھا اور آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ آگ اور گرمی کا رشتہ یہاں بھی ہے اور دُنیا کے ہر حصہ میں یہ رشتہ برقرار رہے گا۔

سبب اور نتیجہ کا یہ رشتہ ہر جگہ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے، ہمیشہ یکساں رہتا ہے۔ اسی رشتہ کی بنا پر ہم قوانینِ فطرت مُرتّب انداز میں سمجھتے ہیں بلکہ انہیں اپنے الفاظ میں مُرتّب کر لیتے ہیں۔

سبب و نتیجہ یا علت و معلول کی اس یکسانیت کی بنیاد پر ہم تمام واقعات و حالات کو علت و معلول کی کڑی میں پروتے چلے جاتے ہیں۔ ہر واقعہ یا نتیجہ کا سبب، پھر اس کا سبب ڈھونڈتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ ہم اس یقین کے ساتھ کرتے ہیں کہ ہر واقعہ کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوگا۔ ہر معلول کی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہوگی۔

سرحدِ ادراک سے پرے

علت و معلول کو کڑی در کڑی پروتے پروتے ایک مقام ایسا بھی آجاتا ہے، جہاں ہم کسی معلول کی (جو بیک وقت علت بھی ہوتا ہے) اگلی کڑی دریافت نہیں کر پاتے۔ واقعہ یا نتیجہ موجود ہے مگر اس کا سبب نظر نہیں آتا۔ دیکھنے، چھونے، سُننے، سُونگھنے اور چکھنے کی قوتیں بے بس ہو جاتی ہیں۔ راستہ باقی ہے، منزل بہت آگے ہے مگر حواسِ خمسہ نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آنکھیں دھندلانے لگیں۔ سرحدِ ادراک آگئی۔ آگے کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ اب کیا کریں؟

ایک صورت تو یہ ہے کہ اپنی قوتِ ادراک کی بے بسی مان لیں اور صاف اعتراف کرلیں معلول، نتیجہ اور واقعہ موجود ہے مگر اس کا سبب کہیں آگے، سرحدِ ادراک سے پرے ہے، ہمارے علم و ادراک میں نہیں آرہا ہے ضرور مگر نظر نہیں آرہا ہے۔

دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یوں کہہ دیں کہ جہاں تک ہمیں نظر آرہا تھا، بس وہیں تک راستہ تھا، اب آگے نہ راستہ ہے، نہ منزل۔

مگر اس موقع پر ہماری عقلِ سلیم شدید احتجاج کرے گی، وہ کہے گی کہ وہ تمہارا علت و معلول کا رشتہ کیا ہوا۔ تمہارا اٹل فطری قانون کہ ہر نتیجہ کا سبب ہوتا ہے اور اس میں زمان و مکان کی قید سے آزاد یکسانیت و عمومیت ہوتی ہے۔ کہاں گیا؟ اب تم آگے نہیں بڑھ سکتے ہو تو اپنے مرتب کردہ اٹل فطری قانون کو جھٹلانے لگے ہو؟ معلول سامنے موجود ہے لیکن علت کے وجود کا انکار کرتے ہو؟

حیرت کی بات ہے کہ سرحدِ ادراک سے پہلے تو علت و معلول کا رشتہ بھی لازمی، قانونِ فطرت بھی اٹل۔ قانونِ یکسانیت و عمومیت بھی برسرِ کار ہیں۔ اب جونہی سرحدِ ادراک سے پار کا معاملہ زیرِ بحث آیا تو سارے رشتے ناطے ٹوٹ گئے۔ نہ سبب و نتیجہ کا رشتہ باقی رہا، نہ تعلیل، نہ یکسانیت و عمومیت اور نہ کوئی قانونِ فطرت وہ آخری معلول جس کی ایک ٹانگ سرحدِ ادراک سے پہلے ہے، اور ہمیں نظر آرہا ہے اور جس کی دوسری ٹانگ سرحدِ ادراک سے پار ہے۔ اب درخورِ اعتناء ہی نہیں ہے؟ اب اس کا وجود بھی معرضِ شک و انکار میں پڑ گیا ہے بس اس لیے کہ نظر نہیں آرہا۔

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ (یونس - ۳۹)

"بس صرف اس لیے جھٹلا دیا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور ابھی اس کی حقیقت ان پر نہیں کھلی۔"

باتیں تو بہت سی ہیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ کیا ان کے وجود سے انکار کریں، ان سے منہ پھیر لیں؟ خدا نخواستہ میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہو۔ نہ درد فی نفسہٖ نظر آتا ہے اور فرض کیجیے نہ اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ کیا مان لوں کہ میرے سر میں درد نہیں ہو رہا؟

دنیا میں بیسیوں چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے حواسِ خمسہ اور ادراکِ عقلی کی زد سے دور ہیں۔ کیا ان سب کے وجود سے انکار کردیں؟

تو آیئے آپ کو ایک اَن دیکھی دُنیا کی سیر کرا دیں۔ وہ اَن دیکھی دُنیا جس کے وجود سے آپ انکار نہیں کر سکیں گے۔ اہلِ نظر تو صرف چلنے والے کے نقشِ پا کو دیکھتے ہیں اور کسی خاص شخص کے اس جگہ پہ آنے کا ثبوت مہیا کر لیتے ہیں۔ قدموں کے یہ نشان اس جگہ پہ اس شخص کے وجود کی دلیل بن جاتے ہیں۔ (ہمارے ہاں دیہاتوں میں پاؤں کے نشانوں سے چوروں کا سراغ بھی لگا لیا جاتا ہے) لیکن ہم تو محبوب کے وجود کی بات کر گئے

ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی

خلیے گذشتہ صفحات میں اس بات کا ذکر ہو رہا تھا کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نظر میں نہیں آتیں، لیکن موجود ہوتی ہیں۔ خلیوں اور ایٹم میں الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران کی دُنیا بھی اَن دیکھی دُنیا ہے۔ جب اس کے عجائبات پہ غور کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق اس طرح سے نمایاں ہو جاتی ہے کہ انسان وجد میں آ جاتا ہے۔

ڈاکٹر غلام جیلانی برق ۳۴ سائنسدانوں کے مضامین پر مشتمل ایک کتاب ایک عظیم منصوبہ GREAT DESIGN کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" نباتات اور حیوانات کے بنیادی اجزا خلیے CELLS کہلاتے ہیں۔ ہر خلیہ کئی عناصر مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن وغیرہ سے مرکب ہوتا ہے۔ دُنیا کا ہر پودا اور ہر جاندار انہیں سے تیار ہوا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہر جانور کی تکوین انہیں سے ہوتی ہے تو ان کا ایک مجموعہ خرگوش، دوسرا ہرن، تیسرا بیل اور چوتھا سانپ کیسے بن گیا۔ ماہرینِ حیات کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کمالِ ترتیب سے ہے۔ ہرن کے خلیوں کی ترتیب دیگر تمام جانوروں کے خلیوں سے جدا تھی اسی اختلافِ ترتیب سے ایک خرگوش اور دوسرا شیر بن گیا رہ دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ ترتیب دینے والا کون ہے۔ سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب موجود نہیں ہے۔

لیکن مذہب کہتا ہے: اللہ!

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ط (فاطر: ۱۱)

" اللہ نے تمہیں پہلے چکنی مٹی سے پیدا کیا تھا، پھر نطفہ سے تمہاری تخلیق شروع کر دی۔

اس نے تمہارے جوڑے بنائے، اور عورت جو کچھ پیٹ میں اُٹھائے پھرتی ہے یا جنتی ہے۔
یہ سب کچھ اللہ کے علم میں ہے۔"

ایٹم "بے جان اشیاء مثلاً لوہا، پتھر، سونا وغیرہ میں خلیے نہیں بلکہ برق پارے ہوتے ہیں۔ ان کی ترتیب اور تعداد کے اختلاف سے ایک مجموعہ سونا بن جاتا ہے۔ دوسرا چاندی اور تیسرا لوہا۔ ہائیڈروجن کے جوہر میں صرف ایک منفی الیکٹران ہوتا ہے اور آکسیجن میں آٹھ اور کیلشیم میں بیس۔"

(H : ۵)

"یہ کائنات بجلی کے مہین ذرّات سے تعمیر ہوئی ہے۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ منفیہ (الیکٹران) ثباتیہ (پروٹان) جسے مرکزہ بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے ملاپ سے جوہر (ایٹم) بنتا ہے اور کئی جواہر سے مالیکول تیار ہوتا ہے اور ایک ایٹم کا ٹھوس حصہ وہی ہوتا ہے جسے مرکزہ کہتے ہیں اور باقی جگہ خالی ہوتی ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ اگر ہر ایٹم سے اس کی خالی جگہ چھین لی جائے تو تین من بھاری انسان کا وزن ریت کے ایک ذرّے سے بھی کم ہو جائے گا۔ اور زمین کا قطر جو آب ۸ ہزار میل ہے، صرف نصف میل رہ جائے گا۔"

(ریڈرز ڈائجسٹ، فروری ۱۹۵۶ء۔ صفحہ ۱۴۲)

نیویارک کا ایک سائنسدان رابرٹ پلیب نیویارک ٹائمز میں لکھتا ہے کہ "باد و باران کا وہ طوفان جو ۸۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہو۔ ایک منٹ میں اتنی توانائی استعمال کرتا ہے جتنی کہ ریاستہائے متحدہ کا نظامِ برق پچاس برس میں پیدا کرتا ہے۔ (الیضاً H: ۵ ۱۶)

جیمز آرنلڈ گراڈ تھر ایم اے ایس سی ڈی اپنے مضمون "ضَوفشانی" (RADIATION) میں لکھتے ہیں:

"مادّہ کیا ہے؟ یہ برق پاروں میں مقید توانائی کا نام ہے۔ اگر اس توانائی کو ہم کسی طرح آزاد کر سکیں تو یہ خلا میں نہایت تیز رفتاری سے کسی طرح پرواز کرنے لگے گی۔ اس کی صورت ایک ہی ہے کہ یہ زمین کسی ستارے سے اس طرح ٹکرا جائے کہ تمام رشتے، بندھن اور رابطے ٹوٹ جائیں اور برق پارے آزاد ہو جائیں۔

کائنات کی بنیادی حقیقت ضَوفشانی RADIATION یا توانائی ہے۔ یہ کہیں شعاع

کی صورت اختیار کر لیتی ہے، کہیں لہر اور کہیں ذرّے کی۔ اس متنوع کائنات میں توانائی ہی رشتہ وحدت کا کام دیتی ہے۔ آغازِ آفرینش میں خلا پُرسکون تھا، کہیں سے برق پاسے بیچ میں آ کودے اور اضطراب سا پیدا ہو گیا۔ ان میں سے کچھ توانائی میں تبدیل ہو گئے اور کچھ مادّہ MATTER بن گئے۔

سائنس اَن گنت صدیوں سے رازِ حیات حل کرنے میں مشغول ہے۔ اس نے تلاش و تحقیق کی بے شمار وادیاں طے کیں۔ بڑی پیچیدہ راہوں سے گذری۔ بے شمار اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھائیں اور اب اس صداقت تک جا پہنچی ہے جس کا اعلان خدا نے موسیٰؑ نے ولادتِ مسیحؑ سے پندرہ سو سال پہلے کیا تھا:

"LET THERE BE LIGHT AND THERE WAS LIGHT."

ترجمہ: "اللہ نے کہا اُجالا ہو جائے اور فوراً اُجالا ہو گیا۔"

(دو حوالے (۵: ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۸)

منطقی اثباتیت اور ایمان بالغیب اس موقع پر منطقی اثباتیت LOGICAL POSITIVISM کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے۔ جدید دَور کے اس فلسفے میں یہ بات بہت شد و مد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ جو امر یا جو چیز حواسِ خمسہ کے ذریعے محسوس کی جا سکے وہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ بالفاظِ دیگر جو چیز نظر نہ آئے وہ سرے سے وجود ہی نہیں رکھتی۔ از راہِ تفنّن عرض ہے کہ اس قسم کی کٹ حجتی آج سے تقریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے بعض لوگوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ انہوں نے بھی یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہم اس وقت تک خدا کو نہیں مانیں گے جب تک خدا ہمیں اپنی آنکھوں سے نظر نہ آ جائے گا۔

منطقی اثباتیت سے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ عرض ہے کہ اس فلسفے کو ماننے والے ایک استاد اپنی کلاس میں پڑھا رہے تھے اور انداز گفتگو یہ تھا کہ دیکھیے آپ لوگوں کو یہ کتاب نظر آ رہی ہے۔ طلبا نے جواب دیا کہ جی نظر آ رہی ہے۔ ارشاد ہوا "تو یہ کتاب موجود ہے"۔ پھر پوچھا کہ "یہ دیوار نظر آ رہی ہے"؟ طلبا سے جواب ملا "نظر آ رہی ہے"۔ تو استاد نے فرمایا کہ "دیوار موجود ہے"۔ پھر پوچھا کہ "یہ قلم آپ نظر آ رہا ہے؟" طلبا نے جواب دیا "جی نظر آتا ہے"۔ استاد نے کہا "یہ قلم موجود ہے"۔ پھر پوچھا "تمہیں خدا نظر آ رہا ہے؟" طلبا نے کہا "جی نہیں نظر آ رہا"۔ تو استاد صاحب فرماتے ہیں کہ "اگر خدا نظر نہیں آ رہا

ہے تو خدا موجود نہیں ہے"۔ اسی اثنا میں ایک ذہین طالب علم نے کھڑے ہو کر طلباء سے پوچھا کہ "کیا آپ کو اُستاد صاحب کی عقل نظر آ رہی ہے؟" طلباء نے کہا نہیں، تو اس طالب علم نے جواب دیا کہ "اُستاد صاحب کی عقل نہیں ہے"۔

قرآن مجید اس انداز فکر کی شدّت سے مخالفت کرتا ہے۔ ارشاد ہے:

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

(یونس: ۳۹)

"بس صرف اس لیے جھٹلا دیا کہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی یا دائرۂ علم میں نہ آسکی۔ (حواس خمسہ کی گرفت میں نہ آسکی) اور ابھی اس کی حقیقت اُن پر کھلی نہیں"۔

دُنیا میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جن کا وجود ہے اور وہ نظر نہیں آتیں۔ مثلاً ہوا۔ ہوا چلتی ہوئی نظر نہیں آتی، ہاں گرد و غبار نظر آتا ہے۔ درختوں کی ٹہنیاں ہلتی ہوئی نظر آتی ہیں، مگر یہ تو ہوا کی علامتیں ہیں، نشانیاں اور آثار ہیں، ہوا تو نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آیاتِ بیّنات تو ہر طرف بکھری ہوئی نظر آتی ہیں، مگر اس کی ذات نہیں آتی۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھے شدید درد ہو رہا ہے۔ درد کے آثار تو چہرے پر نظر آتے ہیں، مگر درد نظر نہیں آتا۔ زمین کی کششِ ثقل، فضا میں ریڈیائی لہریں، ہمارے جذبات، غم، غصّہ، خوشیاں نہ نظر آتی ہیں اور نہ حواسِ خمسہ سے محسوس کی جا سکتی ہیں۔ ہاں اُن کے آثار و علامات ضرور نظر آتے ہیں۔ کیا ان سب چیزوں کے وجود کا انکار کر دیں؟

سب چیزیں موجود ہوتی ہیں، لیکن اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کیا یہ سب چیزیں غیر موجود ہو جاتی ہیں۔ سب چیزیں موجود ہوتی ہیں، لیکن آنکھوں کے سامنے اگر دو ہزار واٹ کا بلب روشن کر دیا جائے تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

نظر یا خبر؟ کسی چیز کے ثبوت کے لیے اس کی رُویت اور اس کا نظر آنا ضروری نہیں ہوتا۔ ہم کمرے میں موجود ہوتے ہیں۔ باہر سورج کی روشنی ہوتی ہے۔ سورج نظر نہیں آرہا ہوتا۔ لیکن سورج کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔ کسی مکان سے دھواں اُٹھ رہا ہوتا ہے لیکن آگ نظر نہیں آرہی ہوتی مگر آگ کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ کسی شخص کے پاؤں کے نشان نظر آتے ہیں وہ شخص نظر نہیں آتا مگر اس کے باوجود اس کا سراغ پالیتے ہیں۔

عملی دنیا میں نظر سے زیادہ خبر کی وقعت ہے۔ حواسِ خمسہ کی کیفیت تو عام طور پر ان چار اندھوں کی کیفیت سے ملتی جلتی ہے جو ایک ہاتھی کو مختلف زاویوں سے ٹٹول رہے تھے۔ کسی نے سونڈ پر ہاتھ لگایا تو کہا کہ ہاتھی سانپ کی طرح ہوتا ہے۔ کسی نے اس کے پاؤں کو ہاتھ لگایا تو کہا کہ ہاتھی ستون کی طرح ہوتا ہے۔ اور کسی نے اس کے جسم پر ہاتھ لگایا تو کہا کہ وہ دیوار کی طرح ہوتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس...... عملی زندگی کا تعلق خبر اور ایمان بالغیب سے ہے۔ ہم اپنی زندگی کے ۹۵ % امور صرف دوسروں سے سُنی سُنائی باتوں پر اعتماد کر کے طے کرتے ہیں۔ ایک بیمار شخص ڈاکٹر کی ہر ہر بات پر پورا پورا اعتماد کرتا ہے اور ایمان بالغیب لاتا ہے۔ ایک شخص عدالت میں مقدمہ لڑتے ہوئے وکیل کی ہر اُلٹی سیدھی بات پر پورا پورا اعتماد کرتے ہوئے اس پر ایمان بالغیب لاتا ہے۔ ہم روزانہ اخبار پڑھتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی وژن پر خبریں سنتے ہیں، سب باتوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر یہ اعتماد نہ ہو اور ہر چیز کو دیکھنا شرط قرار پا جائے تو زندگی گزارنا ناممکن ٹھہرے۔ مجھے جاپان جانے کا اتفاق نہیں ہوا تو کیا میں جب تک جاپان کو دیکھ نہ لوں تو ملک جاپان کے وجود سے انکار کیے رکھوں۔ کہنے والا مجھے کہہ سکتا ہے کہ میاں ابھی چلو، ٹکٹ خریدو اور ٹوکیو کے شہر میں جا کر دیکھ لو کہ جاپان موجود ہے۔ میرا جواب یہی ہو گا کہ ہاں بھئی ہو گا مگر صرف تمہارے لیے۔ اس لیے کہ تم دیکھ چکے ہو اور جب تک میں دیکھ نہیں لیتا اُس وقت تک میرے لیے جاپان کا وجود نہیں ہے۔ کیا یہ جواب اُصولاً درست ہو گا۔ لیکن ایک معقول شخص کا رویہ یہی ہے کہ میاں جب تم کہتے ہو کہ جاپان میں پہنچ کر جاپان کو دیکھ سکتے ہو تو دیکھنے سے پہلے ابھی اس کے وجود کا اقرار کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اُصولی طور پر تو اس کا وجود مان لینا چاہیے۔

یہی بات اللہ والے بھی کہتے چلے آئے ہیں۔ (ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر) کہ جب وقت آئے گا تو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کا قرب نصیب ہو گا تو تم اس کا مشاہدہ کر سکو گے۔ لیکن اس مشاہدے سے پہلے ابھی مان لینے میں کیا حرج ہے۔ اُصولی طور پر تو مان لینا چاہیئے۔

میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ فلسفہ کا مطالعہ کرتے ہوئے کئی مرتبہ گہرا پانی آیا۔ ڈبکیاں کھانے لگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان کی چولیں ڈھیلی ہونے لگیں۔ اس موقعے پر ایک سہارا تھا جس نے ڈوبنے سے بچا لیا اور کنارے پر بار بار نجات بخشی۔ اور وہ تھا محمد عربیؐ پر اعتمادِ کامل کا سہارا! اُن پر ایمان بالغیب کا سہارا اتنا تو یقینِ کامل ہے اور تھا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اتنی عظیم شخصیت ہے کہ اس کے منہ سے جھوٹ

نہیں نکل سکتا اور وہ پھر اس راہ میں اکیلے نہیں ہیں۔ لاکھوں انبیاء، اولیاء، صُلحا، شہداء ان کے جلو میں چلے آ رہے ہیں۔ کیا یہ سب کے سب جھوٹ بول رہے ہیں؟ ان سب کو جھوٹا کہنے سے پہلے اپنی عقل کا علاج کیوں نہ کروا لوں؟ پھر یہی ہوتا رہا کہ جب غوطے آنے لگتے تو ضمیر کی گہرائیوں سے یہ دُعا نکلتی۔

مجھے عشق کے پَر لگا کر اُڑا　　میری خاک جگنو بنا کر اُڑا
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے　　دلِ مرتضیٰ ؓ، سوزِ صدیق ؓ دے

یہ سوزِ صدیق ؓ کیا ہے؟ یہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیتِ کبریٰ پر مکمل ایمان ہے اور وہ بات جو سمجھ میں آنے والی نہیں اس پر بھی بیقینِ کامل لے آنے کا نام ہے، اگر وہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے منہ سے نکل گئی ہو۔

تو ہر چیز کا وجود اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اُسے ننگی آنکھ سے دیکھا جائے یا حواسِ خمسہ سے محسوس کیا جائے۔ زندگی کے ہیچا نوے فی صد سے زیادہ معاملات خبر سے متعلق ہیں، نظر سے نہیں۔

نظر درد و غم و سوز و تب و تاب
تو اے ناداں قناعت کر خبر پر　　(اقبال ؒ)